سویڈش ماڈل اور اسلام کے سماجی پہلو کا تحقیقی جائزہ

*محمد سلیم

**عبدالقدوس صہیب

Abstract

Sweden is often regarded as a society whose policies should be emulated by others. It is characterized by a high degree of social cohesion. The deep study of Swedish society makes it evident that this simplistic analysis is flawed. It can be view as a short-lived and deprived of eternal moral values. In this paper it is argued that religion's role is necessary for a stable society. Equality and individual freedom are discussed as a key ideal of the Swedish social model. Combination of these two values in western view creates ideological chaos. Where as Islam resolves this conflict by creating balance between these values.

It is concluded that revival of Islamic social values ensure social stability. Fraternity can not be created only on material grounds but on spiritual and religious grounds. Insisting on creating similarity and uniformity creates forced equality which deprives the people of creative abilities.

Keywords: Sweden, religion's role, equality and individual freedom, social cohesion, Islam.

تعارف:

سویڈن نے سوسائٹی کو جس طرح ترقی دی ہے وہ مغرب میں ایک اہم کامیابی تصور کی جاتی ہے۔ ایک چھوٹا سا ملک ہونے کے باوجود سویڈن بالخصوص اور نارڈک ممالک بالعموم دُنیا کی دلچسپی کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ سویڈن کی کامیابی کے پس منظر میں ایک اہم وجہ وہ سماجی بندھن تھا جو اکثر چھوٹی آبادیوں میں مذہب، کلچر، نسل اور سوچ کے لحاظ سے ایک قسم کے لوگوں (homogeneous) میں ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں یہ ممکن نہیں رہا ہے کہ ایک علاقہ میں طویل عرصے تک ایک ہی نسل کے لوگ بستے رہیں۔ سویڈن میں غیر ملکی تارکینِ وطن کی آمد نے سویڈن کے باشندوں کے ہم نسل ہونے کی بناء پر قائم وحدتی رجحان اور ہم آہنگی کو بدلنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ معاشرہ منقسم ہونا شروع ہو گیا ہے۔

اسلام وحدتِ انسانیت کا تصور دے کر وحدتِ فکر کی بنیاد پر عالمی معاشرے کا خواہاں ہے۔ اس تصور کو پروان چڑھانے میں اسلامی تعلیمات اور عقائد کے ساتھ ساتھ اسلامی عبادات نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے بھی محدود اور مقامی مفادات کا تحفظ کرنے والی اقدار کی بجائے آفاقی، عالمی اور دائمی انسانی اقدار کا حامل ضابطہ حیات ہے۔ جس نے آزادی اور مساوات جیسی اقدار میں اعتدال اور توازن قائم کیا۔

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، پوسٹ گریجوایٹ سنٹر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایمرسن کالج، ملتان۔

**چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

آزادی اور مساوات میں توازن :

آزادی اور مساوات دو ایسی قدریں تصور کی جاتی ہیں جن کو اکٹھا کرنا اور ان کو حاصل کرنا مغربی زندگی کے اہم ترین مقاصد میں شامل رہا ہے عصر حاضر میں مسلمہ اقدار میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کے سارے انسان چونکہ پیدائشی طور پر یکساں ہیں اس لیے انہیں یکساں حقوق و اختیارات بھی حاصل ہونے چاہئیں۔

مکمل مساوات کا نظریہ عام طور پر افراد کی آزادی کو محدود کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر اِن دونوں اقدار کو ایک دوسرے کی ضد تصور کیا جاتا ہے۔ جیسے دوسرے میدانوں میں مغرب افراط و تفریط کا شکار ہے اور اعتدال اور توازن قائم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ بعینہٖ ان دونوں اقدار کے معاملہ میں اس کا رویہ عادلانہ اور اعتدال پر مبنی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی دانشور فرائیڈ مین کا کہنا ہے :

One can not be both an egalitarian...and a liberal". (1)

گویا مساوات اور آزادی کو دو متضاد اقدار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ مساوات اور آزادی کا ایک دوسرے کے ساتھ اتنا گہرا ربط ہے کہ آزادی کے بغیر مساوات کے تصور کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

دراصل آزادی اور مساوات کا یہ مغربی تصور اپنے اندر بڑے نقائص کا حامل ہے۔ اول یہ کہ ان کے ہاں آزادی اور مساوات کا کوئی آفاقی تصور نہیں ہے بلکہ بہت محدود پس منظر کا حامل اور بالکل اضطراری نوعیت کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمران اور عوام کی کشمکش کے بطن سے وجود میں آیا ہے۔

دوم یہ کہ اگرچہ یہ نظریہ ظاہری طور پر دُنیا کے تمام انسانوں کی نسبت سے آزادی اور مساوات کی بات کرتا ہے لیکن یہ چیز محض حالات کی تابع ہے ورنہ یورپ کی نسلی برتری کا تصور بدستور اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

سوم یہ کہ جو چیز مغرب کے دوسرے نظاموں اور تصورات کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یعنی اللہ اور آخرت کا انکار اور معاملاتِ دُنیا سے اس کی بے دخلی وہ آزادی اور مساوات کے اِس تصور کے ساتھ بھی جڑی ہوئی ہے حالانکہ اس کے بغیر ہزار طرح کے اچھے اصول اور اچھی باتیں قوتِ نافذہ سے محروم ہو کر محض زینتِ قرطاس بنی رہتی ہیں۔ انسان اچھے اصول اور اچھی باتیں وضع کر لیتا ہے لیکن جذبات اور خواہشات کے چنگل میں پھنس کر ان کا مسلسل گلا گھونٹتا رہتا ہے۔

نارڈک سماج پر تحقیق کرنے والے محقق David Popenoe سویڈن کی مذہبی حالتِ زار کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :

In terms of a belief system، the new Swedes has become thoroughly secular، God is almost never invoked publicly a minority of Swedes pray and almost no Swede attend religious services regularly. (2)

اس سے درج ذیل نتائج تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے :

ا۔ عقائد کے ضمن میں سویڈن کی نئی نسل مکمل طور پر سیکولر بلکہ لادین ہو چکی ہے۔

۲۔ سویڈن کی بہت قلیل تعداد دعاؤں اور مناجات کا سہارا لیتی ہے اور مذہبی عبادات اور رسومات کی ادائیگی تو تقریباً ناپید ہو چکی ہے۔

البتہ سویڈن کی اس مذہبی بیزاری نے مذہبی آزادی میں اپنا حصہ ضرور ڈالا ہے کیونکہ سویڈن میں ۱۹۵۱ء تک مذہبی آزادی متعارف نہیں کروائی گئی تھی۔ اس سے پہلے تک عیسائیت کے علاوہ مذاہب سے وابستہ افراد پر چند قانونی پابندیاں لگائی جاتی تھیں۔(3)

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسے مذہبی آزادی کی بجائے مذہب سے آزادی کہنا زیادہ مناسب لگتا ہے۔ مذہب اچھے اخلاق اور کردار کے مالک افراد پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے اور مذہب سے فرار اخلاقی دیوالیہ پن کا سبب بنتا ہے۔

سماجی نظام کا استحکام:

ایک اچھے سماجی نظام کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور کردار کے مالک افراد پیدا کرتا ہے اور انسانی زندگی کے لیے عالمگیر رہنمائی کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے عالمگیر اصول اور قوانین تشکیل پاتے ہیں جن کی بنیاد پر عالمی امن قائم ہوتا ہے اور یہ اصول و قوانین دُنیا کے کسی بھی گوشے میں قابل نفاذ ہوتے ہیں جب کہ سویڈش نظام ان خوبیوں سے یکسر محروم نظر آتا ہے۔

جان سی بائرو سویڈش نظام کو دُنیا کے کسی بھی خطے میں سوائے سویڈن کے ناقابلِ عمل قرار دیتا ہے۔ اُس کا کہنا ہے:

The Swedish type of bureaucratic left-perverse socialism is unique. It developed as the result of very special local circumstances and the people's tolerance of it proved exceptional. It is simply not possible anywhere on earth، only in Sweden. You have to be genetically Swedish and born in that country like it. In this respect، the Swedish system is not a threat to the world.(4)

اس سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ سویڈش نظام گمراہ کن سوشلزم کا نمونہ ہے جو کہ منفرد ہے۔

۲۔ یہ مخصوص مقامی حالات کی پیداوار کا نتیجہ ہے۔

۳۔ یہ نظام سویڈن کے علاوہ دُنیا میں کہیں بھی قائم نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ سویڈش نظام صرف سویڈن کے رہائشی اور پیدائشی افراد کے لیے مناسب ہے۔

۵۔ یہ نظام دُنیا کے دوسرے ممالک کے لیے قابلِ تقلید اور قابلِ عمل نہ ہونے کی وجہ سے باقی دُنیا کو متاثر کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

اس کے بر عکس اسلام کے ظہور کے وقت عالمی منظر نامے پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کو گھٹا ٹوپ اندھیروں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور اسلامی تعلیمات نے پوری دنیا کی تاریکی کو دور کیا۔ اسلام صدیوں کی انسانی تہذیبی آرزو کو تعبیر آشنا کر رہا تھا۔

آر نلڈ جے ٹائن بی اِس متاثر کُن تبدیلی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :

In the creative soul of Muhammad the radiation of Judaism and Christianity was transmuted into a spiritual force which discharged itself in the new 'higher religion' of Islam.(5)

''یہودیت اور عیسائیت کی روشنی محمد ﷺ کی خلاق روح میں یوں جمع ہو گئی کہ یہ ایک روحانی قوت میں بدل گئی جو ایک بلند تر مذہب یعنی اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی''۔

آنے والے زمانے میں مسلمانوں نے دعوت کے کام کو پھیلایا اور دُنیا کے دور دراز گوشوں کو اسلامی تعلیمات نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر متاثر کیا۔ جہاں بھی تہذیبوں کا آمنا سامنا ہوا، اسلامی تہذیب اپنی تخلیقی توانائیوں کی بدولت قدیم تہذیبوں پر غالب رہی بلکہ واحد عالمی تہذیب کے طور پر سامنے آئی۔

اسلام کے اِن تہذیبی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ٹائن بی تحریر کرتے ہیں :

The next living society that we have to examine is Islam، and when we scan the background of the Islamic society we discern there a universal state، a universal church and a volker wanderung.(6)

''دوسرا زندہ معاشرہ جس کا ہم نے مطالعہ کرنا ہے وہ اسلام ہے اور جب ہم اسلامی معاشرے کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم بڑے واضح طور پر ایک بین الاقوامی اور آفاقی ریاست اور ایک بین الاقوامی اور آفاقی مذہبی ادارے اور ہمہ گیر نظامِ حیات کو موجود پاتے ہیں''۔

آفاقی عالمی اقدار :

اسلام اپنے مزاج کے لحاظ سے محدود اور مقامی مفادات کا تحفظ کرنے والی اقدار کی بجائے آفاقی، عالمی انسانی اقدار کا امین نظامِ حیات ہے جس کا اعتراف مغربی مفکرین کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔

Christiannity and Islam offer universal values to mankind".(7)

عیسائیت اور اسلام بنی نوع انسان کے لیے آفاقی اقدار پیش کرتے ہیں۔

اسی طرح اسلام کے تہذیبی کردار، عالمی پیغام اور عالمِ انسانیت پر اس کے اثرات کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"Islam represented a systematic and coherent ideology..... with its own code of morality and doctrine of political and social justice. The appeal of Islam (was) potentially universal، reaching out to all men as men".(8)

''اسلام ایک منظّم اور مربوط نظامِ حیات ہے جس کا اپنا ضابطہ اخلاق اور سیاسی اور سماجی انصاف کا نظام ہے۔ اسلام کی مقبولیت آفاقی تھی جو عام انسانوں تک پہنچی''۔

اس کے برعکس سویڈن ایک بے مثل اور شاندار مگر بہتر طریقے سے محفوظ کلچر کا حامل ملک رہا ہے۔ سخت سرد آب و ہوا نے باہر سے آنے والے لوگوں سے اسے محفوظ رکھا جس کی وجہ سے نہ کوئی اسے متاثر کر سکا اور نہ اس سے متاثر ہو سکا۔ اب جب دنیا ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کر چکی ہے اور غیر ملکی تارکین وطن نے اس ملک کا رُخ کیا ہے تو سویڈن کے اس معاشرے کو منقسم ہونا پڑا ہے جس کی وجہ سے قومی اور سماجی وحدت کو قائم رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ اَب ان کے اپنے دانشور اس کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں :

--"Our society has become ethnically divided in a social as well as cultural sense".(9)

درج بالا اعتراف دو اہم حقائق کی وضاحت کرتا ہے :

ا۔ سویڈش معاشرہ قومی وحدت کی بجائے سماجی تقسیم کا شکار ہے۔ سماجی تقسیم خواہ غریب اور امیر کی بنیاد پر ہو، آجر اور اجیر کی بنیاد پر ہو، سرمایہ دار یا مزدور کی بنیاد پر ہو یا پیدائشی شہری اور شہریت یافتہ شہری کی بنیاد پر ہو قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سبب بنتی ہے۔

۲۔ سویڈش معاشرہ ایک سماج اور ثقافت کی بنیاد پر متحد تھا۔ اور اب اسی بنیاد پر منقسم ہے لہٰذا معاشرتی اتحاد کے لیے کوئی اہم عنصر موجود نہیں ہے۔

سماجی اور ثقافتی بنیادوں پر سویڈش معاشرے کو تقسیم کرنے والا بڑا عامل غیر ملکی تارکینِ وطن ثابت ہوئے ہیں جو کہ سویڈن کی کام کرنے والی آبادی (Working age population) کے پندرہ فی صد حصہ پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا آبادی کے اس کار آمد معتدبہ حصہ کو نظر انداز کرنا سویڈش ریاست کے بس کی بات نہیں کیونکہ اس سے ریاستی خوشحالی متاثر ہو سکتی ہے۔

سماجی ہم آہنگی :

رنگ و نسل اور زبان کے اختلافات کی طرح علاقائیت اور وطنیت بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جس کی بنیاد پر انسان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہا ہے اور کچھ لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے فائق اور برتر سمجھتے رہے ہیں۔ اسلام کے نزدیک یہ علاقائیت اور وطنیت بجائے خود کسی انسان کے لیے موجبِ افتخار نہیں کہ وہ فلاں علاقے کا رہنے والا ہے اور فلاں خطہ ارضی سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی قوم کس علاقے اور کس خطۂ ارضی میں آباد ہے اسلام کے نزدیک یہ اتفاقی اَمر ہے جس میں بے شمار

عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ظاہر بات ہے کہ پوری انسانی آبادی کسی ایک خطہ زمین میں محصور ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ ایک ناگزیر تمدنی ضرورت تھی کہ انسان مختلف خطوں میں پھیل جائے۔

قرآن مجید اس امرِ واقعہ کو اسی حیثیت سے پیش کرتا ہے:

"وَمِنْ اٰيٰتِه اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ "(10)

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اب تم انسان ہو کہ (دُنیا بھر میں) پھیلے پڑے ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ اس نے انسانوں کو مختلف ملکوں اور علاقوں میں پھیلا رکھا ہے۔ نابرابری یا عدم مساوات کے دوسرے عوامل کی طرح علاقائیت اور وطنیت یا قومیت کا اختلاف بھی ایک اتفاقی اَمر ہے۔ کسی ریاست کی شہریت کے ساتھ فضیلت، برتری یا تقدس وابستہ نہیں ہوتا بلکہ انسان کے اعمال ہی اسے تقدس عطا کرتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ کا درج ذیل قول اس بارے میں نہایت واضح ہے:

"اِنَّ الْاَرْضَ لَا تُقَدِّسُ اَحَدًا وَّاِنَّمَا يُقَدِّسُ الْاِنْسَانَ عَمَلُہ"(11)

"زمین کسی کو بڑا اور پاک نہیں بناتی۔ انسان کو پاک تو محض اس کا عمل بناتا ہے۔"

گویا اسلام نے رنگ و نسل اور زبان و علاقائیت کی بنیاد پر تفریق و انتشار کا خاتمہ کر دیا۔

قرآن مجید میں پوری وضاحت کے ساتھ اس حقیت کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ تمام انسانوں کی اصل (Origin) ایک ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ"(12)

"اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے۔"

اسلام میں حج ایک اہم رکن ہے جو ہر صاحب حیثیت مسلمان پر فرض ہے۔ اس کے جہاں اور بہت سے ثمرات ہیں ان میں سے ایک اہم ثمر یہ ہے کہ ہر سال مختلف رنگوں، نسلوں اور علاقوں کے مسلمانوں کو نہ صرف باہم ملنے کا موقع فراہم کرتا ہے بلکہ رنگ و نسل اور قومیت کی دیواریں منہدم کرنے میں اس کا اہم کردار ہے۔ مشہور مؤرخ فلپ کے ہٹی کا کہنا ہے:

It offorded opportunity for Negroes، Berbers، Chines، Persians، Syrians، Turks، Arabs، rich and poor، high and low to fraternize and meet together on common ground of faith of all world religions، Islam. seems to have attained the largest measures of success in demolishing the barriers of race، colour and nationality".(13)

"دُنیا کے چہار اطراف کی اسلامی برادری کے اِس (حج کے) اجتماع کے معاشرتی اثر کے بارے میں مبالغہ آرائی کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حبشیوں، چینیوں، شامیوں اور عربوں کو، امیر و غریب کو، کم تر اور برتر کو اپنی تمام مذکورہ حیثیتوں

کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مذہب کی مشترکہ اساس پر بھائی چارے اور باہم ملنے جلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ دُنیا کے تمام مذاہب میں سے اسلام کو رنگ و نسل اور قومیت کی دیواریں گرانے میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے"۔

اس کے بر عکس عصرِ حاضر میں نسلی برتری (Racism) یا نسل پرستی کے نام پر باقاعدہ ایک فلسفہ ایجاد کیا گیا ہے جس کی رُو سے بعض نسلوں کو اعلیٰ (Superior) اور بعض کو اسفل (Inferior) قرار دیا گیا ہے۔ اس کی رُو سے سفید فام لوگ عقل، قوتِ کار، قابلیت اور تخلیقیت میں بقیہ تمام نوعِ انسانی سے زیادہ مالدار ہیں۔ نسلی برتری کے اس تصور نے یورپ کے ایجاد کردہ تصورِ مساوات کو سخت نقصان پہنچایا۔ چنانچہ یہ نسلی تفاخر پورے یورپ میں پھیل چکا ہے لہٰذا نارڈک ممالک بالخصوص سویڈن میں بھی یہ مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

سویڈن میں طویل عرصہ تک مقیم رہنے والے امریکی پروفیسر ایلن پریڈ (Allen Pred) کا کہنا ہے:

Racisms are currently flourishing even in Sweden.(14)

گویا سویڈن میں بھی اب نسل پرستی اور نسلی برتری کا احساس بڑھنے لگا ہے۔ اس نسلی برتری کے احساس کے نتیجہ میں اغیار کی بات اپنی جگہ، خود اپنی ریاست کے تمام شہریوں کو بھی بلالحاظ رنگ و نسل آزادی و مساوات کے حقوق فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ مواقع کی مساوات کی بجائے جبری مماثلت اور یکسانیت پر زور دیا جانے لگا ہے۔

اس تبدیلی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں جسمانی ورزش اور تربیت کے بعد تمام بچوں اور طالب علموں کے لیے صاف ستھرا رہنا ضروری ہے۔ اس کے لیے نہانے کا انتظام علیحدہ یا باپردہ نہیں۔ بلکہ لڑکے لڑکیاں بے پردگی میں ایک ہی سوئمنگ پول میں نہانے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ مسلمان بچوں کو اس طرح مجبور کرنا ان کی مذہبی آزادی اور آزادی انتخاب کو سلب کرنے کے مترادف ہے۔ گویا یہاں "Separate but equal علیحدہ لیکن مساوی کے فارمولا کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ آزادی انتخاب ختم ہو جاتی ہے۔ گویا ایک آزادی کی حدود کو دوسری آزادی محدود کرتی ہے جس کا خیال رکھا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک مغربی دانشور بھی اسے مماثلت اور یکسانیت پر زور دینے سے تعبیر کرتا ہے۔

"Where the stress on equal opportunity has become a stress on uniformity"(15)

گویا اس کو جبری مساوات قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس جبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے:

The possibility of "equal opportunity" however has turned into a compulsion، where every body is forced to be equal or to act in a similar fasion.(16)

یہ جبری مساوات دراصل لوگوں کو ایک جیسا دکھائی دینے اور ایک ہی اندازِ فکر اختیار کرنے اور ایک ہی زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا عادی بنانے کی کوشش ہے۔ جس سے افراد تخلیقی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور آگے بڑھنے کا جذبہ ماند پڑنے لگتا ہے۔

درج ذیل تحریر اسی کیفیت کو واضح کرتی ہے :

The quest for equality has created monotonous societies of uniformity in which the spirit of creativeness and initiative has been lost.(17)

یک انداز اور یک اسلوب معاشرہ کی اس خواہش نے سویڈن کو رہائشی اور غیر ممالک سے آکر آباد ہونے والے شہریوں کے درمیان فاصلے کو بڑھایا ہے جس کی وجہ سے وہ اس معاشرے میں اپنے آپ کو جذب کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اور سویڈن ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ مغربی ماہر عمرانیات کے درج ذیل الفاظ اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں :

"It is the concept of uniformity that prevents the integratoin of many immigrants".(18)

گو یا ظاہری مماثلت اور یکسانیت پر بے جا اصرار کی بجائے معاشرے کو ایسی اخلاقی اقدار کی ضرورت ہوتی ہے جو سماج میں تفریق و تقسیم کے عوامل کو کم کر کے تمام افراد کے سماجی مقام اور مرتبہ کو بلند کرے۔ معاشرے میں غیر سماجی رجحانات کا خاتمہ صرف عقلی طرزِ فکر اور منطق سے ناممکن ہے بلکہ اس کے لیے ایک ٹھوس اخلاقی نظام کی ضرورت ہے۔
امریکی دانشور لیوی کا کہنا ہے :

"Society needs morality that will curb the antisocial tendencies of human beings، and this morality cannot be taught simply on the rational grounds that it is socially necessary.(19)

سماج کو اخلاقیات کی ضرورت ہوتی ہے جو انسانوں میں غیر سماجی رجحانات کو ختم کرے گی اور یہ اخلاقیات صرف عقلی بنیادوں پر نہیں پڑھائی جاسکتی کہ یہ سماجی طور پر ناگزیر ہے۔
یہ اخلاقی تعلیم صرف مذہبی بنیادوں پر فراہم کی جاسکتی ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ :

No society has yet been successful in teaching morality without religion، for morality can not be created. It requires the support of tradition، and this tradition is generally linked to religious percepts.(20)

اس تحریر سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں :

۱۔ اخلاقیات کی تعلیم کے لیے مذہب جزو لاینفک ہے۔
۲۔ اخلاقیات خود بخود پیدا نہیں کی جاسکتی۔
۳۔ اخلاقی تعلیم کے لیے روایت کا سہارا لینا پڑتا ہے اور بالعموم روایات مذہبی افکار و تعلیمات سے جڑی ہوتی ہیں۔

یہی دانشور سویڈن کے سیکولر ہونے کے باوجود سماجی استحکام کی وجوہات تلاش کرتے ہوئے اسے مذہب کا شاخسانہ قرار دیتا ہے :

However، Sweden is a homogeneous society with a strong pietist tradition - a society، moreover، that has been the beneficiary of several centureis of socialization by the Luthern Church. Whether this effect can last forever is questionable.(21)

گویا سویڈن کے اندر خدا ترسی کی مستحکم روایات کے پس پشت لوتھرن چرچ کی تعلیمات اور اثرات تھے۔ اب سویڈن کے سیکولر اور لادین معاشرے میں تبدیلی کے بعد یہ اثرات جلد یا بدیر ختم ہوتے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے سویڈن کو مذہب کی طرف واپسی کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔

اسی تناظر میں اگر اسلامی تعلیمات اور روایات کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے پیغام نے صرف عرب کے قبائل کو ہی الفت و محبت کے رشتے میں پرونے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آگے اس نے قومیت و وطنیت کے تمام حصاروں کو مسمار کردیا جس کے نتیجے میں انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ عالمی پیمانے پر اخوت و مساوات (Fraternity and equality) کی بنیاد قائم ہوئی۔ حضرت سلمانؓ فارسی النسل تھے لیکن نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کو اپنے خانوادے کا ایک فرد قرار دیا۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ" (22)

"سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔"

تاریخ کے ہر دور کی طرح عرب کی سرزمین میں بھی معاشرے کا سب سے پسا ہوا طبقہ غلاموں کا تھا۔ جو عدم مساوات (inequality) کی زنجیر میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔ اس طبقہ کو سماجی زندگی کے ہر میدان میں امتیازی سلوک (discrimination) کا سامنا تھا۔ اسلامی ریاست کے وجود میں آتے ہی اسے سیادت کا مقام عطا کیا گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی تھے لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں اپنا آقا قرار دیا۔

آپؓ کہا کرتے تھے کہ:

"أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا، وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا. يَعْنِي بِلاَلاً"(23)

"ابو بکر ہمارے آقا ہیں اور انہوں نے ہمارے آقا یعنی بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔"

گویا اسلام نے غلاموں کے اس طبقہ کو زندگی کے ہر میدان میں سیادت کا مقام عطا کر کے اس بات کا ناقابلِ انکار تاریخی ثبوت فراہم کردیا کہ اگر روئے زمین پر کوئی نظام فکر و عمل صحیح معنوں میں تمام انسانوں کے درمیان اخوت و مساوات کی آبیاری کرسکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات پر مبنی اور اسلامی اصولوں کی روشنی سے منور ریاست ہی انسانوں کے درمیان رشتہ اخوت اور مساوات کو پروان چڑھا سکتی ہے۔ دینی اور روحانی بنیادوں پر استوار یہ رشتہ مادی نظاموں کے برعکس مستحکم اور دیرپا ثابت ہوتا ہے۔

حاصلِ بحث:

ایک مستحکم سماج کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزادی اور مساوات جیسی مسلمہ اقدار میں توازن اور اعتدال قائم کرے۔ مغربی سماج اس اعتدال و توازن سے محروم ہے جس کی ایک اہم وجہ مذہب سے بیزاری ہے۔ مذہب سے فرار اخلاقی دیوالیہ کو جنم دیتی ہے۔ جب کہ اسلام انسانی زندگی کے لیے عالمگیر رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ عالمگیر اصول اور قوانین دُنیا کے ہر خطے میں قابلِ نفاذ ہوتے ہیں۔ سویڈش نظام اس خوبی سے محروم نظر آتا ہے۔ سویڈش معاشرہ ایک سماج اور ثقافت کی بنیاد پر متحد تھا اور اب اسی بنیاد پر منقسم ہے جب کہ اسلام انسانی بنیادوں پر مذہب کی مشترکہ اساس پر بھائی چارے کی فضا قائم کرتا ہے۔ وحدتِ انسانیت کا اسلامی تصور وحدتِ فکر کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتا ہے جس سے سماجی وحدت تشکیل پاتی ہے۔ جبری مساوات سماج میں تفریق و تقسیم کے عوامل کو کم کرنے کی بجائے فروغ دیتی ہے۔ غیر سماجی رجحانات کا خاتمہ ایک ٹھوس اخلاقی نظام ہی کر سکتا ہے جو کہ مذہبی تعلیمات کا مرہونِ منت ہے۔ اسلام دینی اور روحانی بنیادوں پر ایک مستحکم سماج کو پروان چڑھاتا ہے جو مادی نظاموں کے برعکس آفاقی اور دیر پا ثابت ہوتا ہے۔

حوالہ جات

1. Friedman, M. (Chicago, Capitalism and Freedom, 1962), p.195
2. David Popenoe, Disturbing the Nest, (New Jersey: Transaction Publishing, New Burnswick, 2012), p.156
3. Yonne Yazback Haddad, Muslims in the west, (New York: Oxford University Press, 2002), p.107
4. Biro Jan C, The Sweidhs God, (USA: Homulus Foundation, 2009), p.130.1
5. Arnold J. Toynbee, A Study of History Abridgement of Volumes I-VI by D.C. Somervell, (New York, Oxford University Press, 1947), p.-411
6. Ibid p.-15
7. Simon Murden, Sulture in World Affairs in John Baylis & Steve Smiths (London: the Globalization of World Politics, OUP, 2001), p.457
8. Ibid p.458
9. Allen Pred. Richard, Even in Sweden, (London: University of California Press Ltd. 2000), p.50
10. الروم: 20
11. مالک بن انس، المؤطا، کتاب الاقضیہ، باب جامع القضاو کراھیۃ، اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۴۰۲ھ، ص ۳۸۸
12. النساء: 1
13. Hitt, Philip K , (1951) , History of the Arabs, London , p.136
14. Allen Pred. Richard, (2000), Even in Sweden, p.6
15. Yvonne Yazbeck Haddad, Muslims in the west, p.113

16. Ibid
17. Robert Erikson, ed, (1987), The Scandinavian Model, Welfare States and Welfare Research, M.E. Sharpe, New York, P-VII
18. Yvonne Yazbeck, Haddad, Muslim in the west, P.105
19. Geunter Lewy, Why America needs Religion, (UK, Cambridge: Secular Modernity and its discontents, 1996), p.133
20. Ibid
21. Ibid P.134
22. ابن سعد ' الطبقات ' ص ۸۳ ' دارِ صادر بیروت ' ۱۹۵۷ء ' ج ۴
23. البخاری ' الجامع الصحیح ' کتاب المناقب باب مناقبِ بلال ' حدیث نمبر ۳۷۵۴